مولانا عبدالعزیز مظاہری ایم، اے
حال جمرود ایجنسی

مولانا اسعد اللہ صاحب مظاہریؒ
ہمارے اُستاذ

"الحق" کے تازہ شمارے سے حضرت مولانا محمد اسعد اللہ صاحب کی وفات کا علم ہوا۔ اللہ تعالیٰ انہیں کروٹ کروٹ جنت نصیب کرے۔ مرحوم جناب مفتی سعد اللہ صاحب رامپوری کے نواسے اور مظاہر علوم کے شیخ الادب تھے۔ آپ اپنی ذات میں مجموعۂ کمالات تھے۔ آپ بیک وقت فقیہہ، متکلم، مناظر، ادیب اور شاعر تھے۔ شعر وشاعری میں ان کے بیشمار تلامذہ تھے۔ مدیر بیباک محمد زکریا صاحب نے ان سے تلمذ کی بناء پر اسعدی تخلص اختیار کیا تھا۔ میں نے ان کی حوصلہ افزائی سے اردو میں مشق شروع کی تھی مگر جاری نہ رہ سکی۔

مجھے اس بات کا فخر ہے کہ میں ان کے ادنیٰ تلامذہ میں سے ہوں اور مجھ پر ان کی خاص نظر عنایت وشفقت رہی ہے۔ ایک مرتبہ تعطیلات میں مَیں نے ان سے اقلیدس شروع کی، رمضان کا مہینہ تھا عشرہ اواخر میں مجھے سنت کفایہ ادا کرنے کی خاطر معتکف ہونا پڑا۔ تو حضرت مولانا مجھے پڑھانے کے لئے میرے پاس تشریف لایا کرتے تھے۔ انہوں نے اوائل واواخر کی ایک خصوصی سند بھی مجھے عطا فرمائی ہے جو میرے لئے سرمایۂ افتخار ہے۔ میں نے اپنی طالب علمی کا زمانہ حد درجہ لاابالی پن میں گذارا ہے۔ نہ مطالعہ، نہ تکرار اور نہ اساتذہ کی تقریروں کی طرف توجہ دیتا تھا۔ میرا زیادہ وقت محمد علی جوہر لائبریری میں یا بازاروں اور سٹیشن پر گھومنے میں گذرتا تھا حضرت مولانا میری ان عادتوں سے واقف تھے۔ ایک دن بلا کر نصیحت کی اور فرمایا کہ تم نے یہاں آکر کچھ سیکھنے کی کبھی کوشش ہی نہیں کی ہے جو کچھ تمہیں آتا ہے وہ تم سے خود بخود چمٹ گیا ہے۔

حضرت مولانا مرحوم کی عادتیں دوسرے اساتذہ سے مختلف تھیں ہم نے انہیں کبھی پان کھاتے نہیں دیکھا اگرچہ وہ پان کھاتے تھے۔ اسی طرح دوران درس میں ایک پیالی چائے نوش فرمایا کرتے تھے۔ قہوہ پینے کا ہندوستان میں رواج نہیں تھا لیکن مولانا نے ایک آدھ مرتبہ ہمارے ہاں قہوہ نوش فرمایا تھا اور پسند بھی کیا تھا۔ ان ہی کی فرمائش پر میں نے ان کے لئے "گل نسرین" کے ڈبے یہاں سے منگوائے تھے۔

مرحوم کی طبیعت میں غصہ زیادہ تھا۔ دوران درس اگر کسی طالب علم کی کوئی حرکت ناگوار گزرتی تو فوراً درس بند کر

لیتے تھے اور جیب سے تسبیح کی مالا نکال کر تسبیح پڑھنے لگ جاتے۔ کچھ دیر کے بعد اپنے مخصوص انداز میں چغد، نالائق، گدھا، خبیث وغیرہ کی گردان کر کے دل کی بھڑاس نکال لیتے تھے۔ جناب مولانا محمد علی صاحب مدرس دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک نے ان الفاظ کو گردانِ صغیر اور گردانِ کبیر کا نام دیا تھا۔ گا نڈو اور چغد ان کے پیارے الفاظ تھے۔

ایک مرتبہ ہم حلقۂ درس میں بیٹھے ہوئے تھے کہ ملاں جی ڈاک لے آئے۔ آپ نے خطوط ملاحظہ کئے۔ ایک خط مفتی جمیل احمد صاحب تھانوی کے نام کا تھا۔ مولانا نے فوراً قلم اٹھا کر ان کے نام کے ساتھ گانڈو لکھ دیا اور خط ملاں جی کے حوالے کر دیا (مفتی صاحب آپ کے شاگرد رہ چکے ہیں)

مولانا کے غصے سے میں بہت ڈرا کرتا تھا لیکن خدا کے فضل سے کبھی مورد عتاب نہیں بنا۔ ایک مرتبہ میں نے ان کے مرید خاص مولانا سرفراز کے خلاف ایک شرارت آمیز اشتہار نوٹس بورڈ پر چسپاں کیا جسے پڑھ کر بہت سوں نے لاحول پڑھا۔ سرفراز صاحب اس اشتہار کو لے کر مولانا کی خدمت میں پہنچے۔ اور میرا نام لے کر شکایت کی۔ مگر شاید مولانا اس اشتہار سے لطف اندوز ہوئے۔ اور مجھ سے باز پرس نہ کی۔

مولانا اپنے شاگردوں کی وضع قطع اور لباس میں شرعی تقاضوں کا خاص خیال رکھتے تھے۔ داڑھی کے بارے میں وہ مقدارِ قُبضہ میں کمی کو برداشت نہیں کرتے تھے۔ ایک دن ہمارے رفیقِ درس مولانا محمد زمان آفریدی نے داڑھی کے کچھ بال قینچی سے کاٹے تھے۔ مولانا کی جو نظر پڑی تو مصافحے کے لئے ہاتھ بڑھایا۔ ہم سب حیران ہوئے اور آفریدی صاحب نے بھی مجبوراً اپنا ہاتھ آگے بڑھایا جونہی اس کا ہاتھ مولانا کے قبضے میں آیا تو زور سے اپنی طرف کھینچ کر اس کی داڑھی پکڑلی۔ اور پھر وہی گردانِ صغیر اور گردانِ کبیر کا سلسلہ شروع ہوگیا۔ لیکن اس تشدد اور تصلب کے باوجود مولانا تنگ نظر نہیں تھے۔ جدید رجحانات کی اندھا دھند مخالفت نہیں کرتے تھے۔ ۱۹۴۵ء میں مولانا آزاد مرحوم کی کوششوں سے عربی مدارس کی کل ہند کانفرنس لکھنؤ میں ہوئی تھی مظاہر علوم کی نمائندگی مفتی سعید احمد صاحب مرحوم اور مولانا جمیل احمد صاحب نے کی تھی۔ مولانا آزاد کی تجویز تھی کہ ابتدائی تعلیم مادری زبان میں ہونی چاہئے نہ کہ عربی یا فارسی میں۔ کیونکہ اس سے بچے کے ذہن پر دوہرا بوجھ پڑتا ہے ایک تو اجنبی زبان کا سمجھنا اور دوسرے ان علوم کے مسائل سے واقفیت کرنا۔ مادری زبان میں تعلیم دینے سے ایک بوجھ ہلکا ہو جائے گا۔ ان کی ایک تجویز یہ بھی تھی کہ مغلق متون اور شرح جامی۔ قاضی اور حمد اللہ جیسے شروح کو نصاب سے خارج کر کے عام فہم کتابیں شامل کی جائیں۔ لکھنؤ سے واپسی پر مولانا جمیل احمد صاحب نے ان تجاویز کی مخالفت میں ایک زوردار مقالہ لکھا۔ ایک دن میں دفتر مدرسہ میں حضرت مولانا مرحوم کی خدمت میں حاضر تھا کہ مولانا تھانوی اپنے کاغذات ان کے پاس لے آئے اور اپنا مقالہ سنانے لگے۔ مولانا سنتے جاتے تھے اور لاحول پڑھتے جاتے تھے جس سے یہ واضح طور پر معلوم ہوتا تھا کہ انہیں مقالہ کے مندرجات سے اختلاف تھا۔

مولانا بلند پایہ ادیب تھے، متنبی اور حماسہ بڑے شوق سے پڑھایا کرتے تھے۔ متنبی کے پورے پورے قصائد وہ مقطع سے شروع کرکے مطلع کی طرف صحیح ترتیب کے ساتھ سنایا کرتے تھے۔ متنبی نے ضبہ اور اس کی والدہ کو جس نظم میں ننگی گالیاں دی ہیں اکثر علماء اس نظم کو ثقاہت سے گراہوا سمجھ کر نہیں پڑھاتے۔ لیکن مولانا مرحوم اس نظم کے ہر لفظ کی معنوی تشریح بھی کرتے جاتے تھے اور لاحول بھی پڑھتے جاتے تھے۔ موقعہ اور محل کی مناسبت سے اردو اور فارسی کے اشعار بھی سنادیا کرتے تھے مگر ہم سب اس معاملے میں کور ذوق تھے ان سے لطف نہیں اٹھاتے تھے جس سے مولانا مرحوم سخت دل گرفتہ ہوجاتے تھے۔ اپنا ایک واقعہ سنایا کہ میں نے اچھے شعر پر داد دیتے وقت بوتل توڑ دی تھی۔ بوتل میرے ہاتھ میں تھی۔ جو نہی شعر سنا ہاتھ زمین پر دے مارا۔ اور بوتل ریزہ ریزہ ہوگئی۔

مولانا الفاظ کے صحیح استعمال اور اعراب کا خاص خیال رکھتے تھے انہیں ماند سننا گوارا نہیں تھا فرمایا کرتے تھے صحیح لفظ مانند ہے (بفتح النون الدول) اسی طرح وہ شائق کا لفظ مشتاق کے معنی میں استعمال کرنا غلط سمجھتے تھے۔ وہ انہیں غلط العام نہیں غلط العوام سمجھتے تھے۔

مولانا حضرت حکیم الامت اشرف علی صاحب تھانویؒ سے بیعت تھے اور تقویٰ کی شان نمایاں تھی۔ تکبر اور نخوت نام کو بھی نہیں تھی۔ طلبہ کی مشکلات اور تکالیف رفع کرنے میں پیش پیش رہتے تھے۔ مولانا احمد اللہ صاحب ڈاگئی مردان کی جب ٹانگ ٹوٹ گئی تو شام کا وقت تھا۔ مولانا خود ہمارے ساتھ ہسپتال تک آئے اور ڈاکٹر سے مل کر طبی امداد مہیا کرنے کے بعد واپس تشریف لے گئے۔

مظاہر علوم کا چمن ان چند ہستیوں کی خوشبو سے مہک رہا تھا مفتی سعید احمد صاحب، مولانا منظور احمد صاحب اور مولانا محمد زکریا قدوسی صاحب جیسی مقدس اور بابرکات ہستیاں تو پہلے ہی مالک حقیقی کے ہاں پہنچ گئی تھیں۔ اس قافلے کے آخری مسافر مولانا محمد اسعد اللہ صاحب تھے وہ بھی جوار رحمت میں پہنچ گئے۔

بقیہ: برطانیہ کی قسمت

ہی کی خاک پاک کا پیوند بننے کی جو آرزو لئے ہوئے آپ مستقلاً اسی خاک سے لگ بیٹھے ہیں ان باتوں کو دیکھتے ہوئے یہ سمجھنا بہت ہی مشکل ہے کہ محض کچھ لوگوں کی دلداری کے لئے آپ اس ظلمت کدۂ فرنگ کے سفر پر آمادہ ہوگئے ہوں۔ بلکہ اس آمادگی کے پیچھے مشیت حق کا کوئی ایسا فیصلہ شاید کار فرما تھا جو اس ملک کے مسلمانوں یا خود اس ملک ہی کو کچھ دینے کے لئے کیا گیا ہو۔ ہماری دانست میں اس سرزمین پر یہ دس دن جس انداز اور کیفیت سے گزرے ہیں ایسے انداز اور ایسی کیفیت کا تجربہ اس سے پہلے اس سرزمین نے کبھی نہیں کیا ہوگا۔ اور لوگوں کے دلوں نے بھی نور حق اور رحمت حق برسنے کا ایسا تجربہ اس سے پہلے کبھی نہ کیا ہوگا۔

خدایا! ہمارا یہ حسن ظن اور حسن امید بیکار نہ جائے تو تعالیٰ تو ایسا بیج ہے جس سرزمین پر جا پڑے پھول کھلا سکتا ہے۔ ہم نے تیری رحمت کی بارش برستی ہوئی یہاں ان دنوں میں دیکھی ہے۔ ہم امید رکھتے ہیں کہ یہ ضرور اس سرزمین کو نہال کرنے اور تیرے کلمے کو فروغ عطا ہونے کا باعث بنے گی۔

دفتر ہو، یا فیکٹری
دوکان ہو، یا گھر

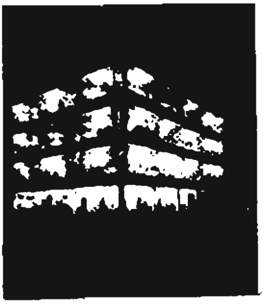

شیشہ

خواجہ کا

خواجہ گلاس انڈسٹریز لمیٹڈ
شاہراہ پاکستان ـــــــ حسن ابدال

فیکٹری آفس: ۴۴، ای بلیٹ، صدر بلاد
رجسٹرڈ آفس: ۳۔ ایبٹ روڈ، لا

مولانا شرف الحق قادری صابری

حضرت مولانا شرف الحق قادری صابری کا سلسلۂ نسب سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے جا ملتا ہے۔ آپ کے جد امجد شیخ بڈھن سرہند شریف اور بندہ بیراگی کے ظلم وستم سے تنگ آکر ۱۱ء میں جملہ بزرگان نے دلّی کے لئے ہجرت فرمائی ان میں سے کچھ حضرات دلّی میں چرھے والی پہاڑی۔ بازار جتلی قبر اور دیگر حضرات چوڑی والاں دلّی میں قیام پذیر ہوئے۔

حضرت مولانا موصوف کے والد یا جد قاری جلال الدین چشتی نہ صرف اپنے اعزا میں ہی بلکہ دلّی کے علمی ادبی طبقہ میں بھی قابلِ احترام مقام رکھتے تھے۔ جامع مسجد شاہی دلی کے امام جناب سید محمد صاحب سے آپ کے دیرینہ اور گھریلو مراسم تھے۔

محلہ چوڑی والاں دہلی میں گلی میگزین واقع ہے۔ جس میں دہلی کے آخری تاجدار بہادر شاہ ظفر کا شاہی اسلحہ خانہ تھا۔ ۱۸۵۷ء میں جب جنگِ آزادی کا آغاز ہوا تو اس علاقہ کے لوگوں نے بھی اس تحریک میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ قاری جلال الدین صاحب اور ان کے اعزا نے بھی اس تحریک میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ اس مہم کی ناکامی کے بعد قاری صاحب کو بھی روپوش ہونا پڑا اور اپنے ساتھیوں کے ساتھ مختلف مقامات اور لال قلعہ وغیرہ میں مقیم رہے۔ ملکہ وکٹوریہ کی جانب سے جب عام معافی کا اعلان ہوا تو واپس اپنے گھر تشریف لے آئے۔ اسی لئے آپ کا تذکرہ بہادر شاہ ظفر کے مقدمہ کی فائل میں موجود ہے یہ مقدمہ نیشنل آرکائیوز دلی میں موجود ہے۔ انگریزوں کے ایک مخبر منشی تراب علی نے اپنے اس خط میں تذکرہ کیا ہے جو انہوں نے انگریزی حکمرانوں کو لکھا تھا وہ تحریر کرتے ہیں:

"قاری جلال الدین بہادر شاہ ظفر سے ملنے کی غرض سے روزانہ قلعہ معلیٰ جایا کرتا ہے۔ یہ شخص وہ ہے جو شاہی میگزین میں اسلحہ فراہم کرنے میں پیش پیش ہے۔"

قاری جلال الدین مرحوم کے پانچ صاحب زادے تھے۔ ان میں چار تو دہلی کے مشہور تاجر تھے اور پانچویں مولانا شرف الحق صاحب مرحوم نے علم دنیاوی و دینی کی تحصیل کی مسجد فتحپوری دہلی اور دیوبند میں علم دین حاصل کیا اور اینگلو عربک سکول

دلی میں حضرت مولانا حالی کے شاگرد رہے۔ اس کے علاوہ حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ سے صحاح ستہ کی تکمیل کی۔ اور ہندی و سنسکرت میں مولانا رحیم بخش کے معتقد پنڈت درگا پرشاد سے تعلیم حاصل کی۔ عبرانی و یونانی حکیم عبدالمجید خان صاحب زیر علاج ایک یہودی عالم سے سیکھیں۔ جنھوں نے آپ کو تحریری سند دی یہ تحریری سند عبرانی زبان میں تھی جس کے حاشیہ میں اردو ترجمہ حکیم اجمل خاں کے ہاتھ کا لکھا ہوا ہے۔ جس پر عبرانی زبان میں ہی اس یہودی عالم کے دستخط ثبت ہیں۔ آپ نے پشتو زبان مولانا عبدالحکیم افغانی سے اور ترکی مولانا ابوالخیر سے حاصل کی۔ الغرض آپ ۲۵ سال کی عمر میں عربی۔ فارسی۔ انگریزی۔ سنسکرت۔ ہندی۔ عبرانی و یونانی، پشتو اور ترکی وغیرہ آٹھ زبانوں کے ماہر ہو گئے۔

ان تمام علوم کے باوجود آپ کو ایک رہبر کامل اور فن مناظرہ کے امام کی تلاش و جستجو تھی۔ آپ امام المناظر حضرت مولانا رحمت اللہ بانی مدرسہ صولتیہ مکہ معظمہ کے ردّ نصاریٰ کے کارناموں سے واقف تھے۔ چنانچہ آپ ۱۳۰۵ھ میں عازم حج بیت اللہ ہوئے۔ مکہ معظمہ میں حضرت مولانا رحمۃ اللہ کیرانوی سے آپ کی ملاقات ہوئی۔ تین ماہ تک شب و روز خدمت میں حاضر رہے۔ حضرت مولانا نے آپ کی خداداد قابلیت کو دیکھ کر ردِ نصاریٰ کے مناظرے کرنے کی اجازت مرحمت فرمائی۔ اور آپ کو بناتی پاجامہ جو کہ سلطان عبدالحمید نے آپ کو بطور خلعت عطا فرمایا تھا وہ حضرت مولانا اشرف الحق صاحب مرحوم کو دے دیا اور اپنی تصانیف میں سے اظہار عیسوی ازالۃ الشکوک اور اظہار حق بزبان عربی اور فرانسیسی تبرکاً عنایت فرمائی۔

آپ نے مکہ معظمہ میں جہاں علوم کو ظاہری کو پایۂ تکمیل تک پہنچایا وہاں آپ نے علوم باطنی کی راہ بھی طے فرمائی اور حضرت شیخ المشائخ حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ سے وہاں بیعت کی۔ جن کی جانب سے آپ کو خرقۂ خلعت عطا ہوا۔

اس زمانہ میں مذہب کا دور دورہ تھا۔ گلی گلی میں کوچوں کوچوں میں پادری نصرانیت کی تبلیغ کرتے پھرتے تھے۔ محکوم ہندو مسلمان قوموں کو اپنے مذہب کی فکر لاحق تھی۔ یہ لوگ بھی بغل میں پوتھیاں دبائے گلے میں حمائل ڈالے ہوئے اپنے دھرم اور مذہب کی عظمت کا ڈنکا بجانے میں مصروف تھے کوئی دن ایسا گزرتا ہوگا جب کوئی مناظرہ نہ ہوتا اور ہر روز اکھاڑے جمتے تھے۔ جس مذہب کی حکومت ہے وہ اپنے مذہب کو عروج دینے کی کوشش کرتی ہے اور یہ مصدقہ بات ہے کہ حکومت اپنے مبلغین کو سہولت فراہم کرتی ہے چنانچہ یہی صورت عیسائی پادریوں کی تھی حکومت ان کا خاص خیال رکھتی تھی۔ محکوم قومیں ان تمام مراعات سے محروم تھیں لیکن ہر وقت مذہبی کاموں کے لئے امداد دینے کے لئے مستعد نظر آتی تھیں۔

یوں تو مولانا اشرف الحق نے ہندوستان کے ہر گوشے میں سینکڑوں مناظرے ہندوستان کے مشہور و معروف پادری فرینچ

پادری لیفرائے۔ پادری پیٹرو بیر۔ پادری ڈیوڈ ھن۔ پادری وکیٹ۔ پادری ڈیون۔ پادری ولیمڈ۔ پادری ڈبنٹر۔ پادری ڈیوڈ۔ پادری برائٹ۔ پادری ھنری۔ پادری جانسن۔ پادری وئیرل۔ پادری لونگ۔ پادری ڈیوٹن پادری وکار لائن۔ پادری ایم۔ جی گولڈ سمتھ۔ پادری روفس۔ پادری جے سمول۔ پادری پیٹرک وغیرہ سے ہوئے۔ لیکن ان میں پانچ مناظرے بہت اہمیت کے حامل ہیں غازی پور مشن سکول میں ۸ مارچ ۱۸۸۵ء کو دن کے تین بجے پادری روفس سے مناظرہ ہوا۔ پادری نے تین گھنٹے کی بحث کے بعد لاجواب ہو کر آخر میں تین ہزار افراد کے مجمع میں اعتراف شکست ان الفاظ میں کیا۔

"ہم میں اس قدر علم ولیاقت نہیں ہے کہ مولانا صاحب سے مقابلہ کر سکیں۔ مولانا صاحب نے ہمارے مذہب میں ایسی تحقیق اور وسیع معلومات حاصل کی ہیں جس کے لئے مولانا موصوف آفرین اور صد آفرین ہیں۔"

۱۸۹۱ء میں مسجد شاہی فتحپوری دلی میں مولانا صاحب کا لارڈ بشپ جے ای لیفرائے سے مناظرہ ہوا۔ دلی اور اطراف دلی میں اس مناظرے نے ایک ہلچل مچادی تھی۔ جس کی وجہ یہ تھی کہ پادری صاحب اور مولانا صاحب کے درمیان یہ طے ہوا تھا کہ جو شخص مناظرہ میں ہار جائے گا وہ مجمع عام میں اپنی شکست کا اعتراف کرے گا اور شکست نامہ لکھ کر دے گا۔ نیز ہارنے والا مقابل کے مذہب کو اختیار کرے گا۔

اس مناظرے میں آگرہ۔ علی گڑھ۔ میرٹھ اور سہارنپور کے معززین مشاہیر کرام علماء کرام اور مشائخ۔ مسیح الملک حکیم اجمل خان صاحب اور ان کے خاندان کے بزرگ حکیم احمد سعید خاں صاحب حکیم غلام محمود صاحب اور مولانا عبد الحق صاحب مصنف تفسیر حقانی وغیرہ حضرات نے شرکت فرمائی۔ دیگر اضلاع سے عیسائی حضرات نے بھی شرکت کی۔ مناظرہ شروع ہوا۔ پہلے دن بیس پچیس ہزار سے مجمع کسی طرح کم نہ تھا پہلے دن کی عالمانہ و مدلل بحث نے شہر میں آگ لگا دی تھی۔ دوسرے دن کے مناظرے میں یہ تعداد دوگنی ہو گئی۔ مناظرہ کا آغاز ہوا۔ ابھی ایک گھنٹہ بھی نہ گذرا تھا کہ مولانا شرف الحق صاحب نے اپنے مدمقابل لیفرائے کو شکست دے دی۔ اس نے حسب وعدہ اپنے مذہب کو نہیں بدلا۔ لیکن یہ تسلیم کیا کہ واقعی انجیل میں تحریف ہوئی ہے۔ اور حسب ذیل شکست نامہ لکھ کر دیا۔

میں اقرار کرتا ہوں کہ لوقا کی انجیل شریف کے ترجمے اور اس کے علاوہ اصلی نسخوں میں جو اس وقت موجود ہیں اس میں چند آیتیں غلط ہیں اور بھول سے داخل کی گئی ہیں۔ یہ بات سب سے قدیم نسخوں۔ ٹریکٹوں کے ملانے سے معلوم ہوئیں وہ آیتیں ان میں موجود نہیں ہیں۔ لہذا میں اسی انجیل کی باتیں سچی مانتا ہوں۔ مستشرقین شعراء کے قول انجیل میں ملے ہوئے ہیں۔" (دستخط جی۔ اے۔ لیفرائے)

مناظرہ حیدرآباد۔ مباحثہ پونا اور مناظرہ ہنگکنڈہ بھی آپ کے تاریخی مناظرے ہیں جن سے پادریوں کے وقار کو بڑا دھکا لگا۔ پادری آپ کا نام سنتے تو مناظرہ کرنے سے گریز کرتے تھے۔

بہت سے ایسے لوگ بھی ہوتے تھے جو پادریوں کے پھندے میں پھنس جاتے اور اپنا مذہب بدل کر عیسائی مذہب اختیار کر لیتے۔ آپ کو اس کی اطلاع ہوتی تو آپ اس وقت تک چین سے نہیں بیٹھتے تھے جب تک کہ ان کو عیسائی مذہب چھڑوا کر سابقہ مذہب اختیار نہیں کر لیتے تھے۔

چنانچہ بڑے بازار ہزاری باغ میں ایک دو منزلہ مکان کی پہلی منزل میں عبدالغنی بنگالی رہتے تھے۔ دوسری منزل پر پادریوں کے مشن کا دفتر تھا۔ قریب ہونے کی وجہ سے عبدالغنی کی لڑکی قمرالنساء جس کی عمر اس وقت بارہ سال کی تھی۔ پادریوں سے تعلیم حاصل کرنے لگی۔ پادریوں نے اس پر اپنا رنگ چڑھا یا۔ اور پانچ چھ برس تک اس کے ذہن پر نصرانیت کی فوقیت جمائی نوعمر لڑکی تھی ان کے پھندے میں پھنس گئی جب پادریوں نے دیکھا کہ اب شکار جال میں پھنس گیا ہے تو انہوں نے اس کو اپنے گھر سے نکال کر گرجا میں پہنچا دیا۔

عبدالغنی کو جب اس شرارت کا علم ہوا تو انہوں نے اپنے ہمسائے پوسٹ ماسٹر عباس بہاری سے ذکر کیا تو انہوں نے پولیس کو اطلاع کرائی۔ اس وقت مسٹر گاٹی کرسٹان سپرنٹنڈنٹ پولیس تھا جو پادریوں کے مشنری کاموں سے دلچسپی اور ہمدردی رکھتا تھا۔ اس نے اس رپورٹ پر کوئی کارروائی نہ کی۔ عبدالغنی کو کسی نے بتایا کہ اٹکی میں مولانا شرف الحق صاحب آئے ہوئے ہیں جن کے نام سے پادریوں اور مشنریوں کی روح قبض ہوتی ہے۔ ان کو بلاؤ۔ لڑکی کو وہی پادریوں کے قبضے سے نکال سکتے ہیں۔

عبدالغنی اٹکی گئے۔ ان کی درخواست مولانا نے منظور کر لی اور ہزاری باغ آئے سیدھے گرجا گھر پہنچے۔ وہاں پر ڈاکٹر ہبرل۔ مس مہیری اور مس حبلیٹ مشنری کالج کی انچارج تھیں۔ ان سے ملے اور ان کو ان کی زیادتی پر تنبیہ کی اور اس بات پر آمادہ کر لیا کہ اگر تم سچے ہو تو ہم کو بھی اپنے مذہب میں شامل کر لو۔ ورنہ تم مذہب اسلام میں داخل ہو جاؤ۔ اس بات کے فیصلہ کے لئے مناظرہ ہونا طے پایا اور یہ بھی کہ لڑکی بھی مناظرہ سنے۔

مناظرہ ہوا ہزاری باغ کے ہزاروں عیسائی اور مسلمان جلسے میں آئے۔ آخر دلائل سے مجبور ہو کر پادریوں کو لاجواب ہونا پڑا۔ اور ماننا پڑا کہ ہمارے پاس کوئی جواب نہیں ہے۔ اس فضا میں لڑکی کو کچھ جرأت ہوئی اس نے اپنے خیال کے مطابق سوالات کئے اور اطمینان بخش جواب سننے کے بعد وہ بھی اس جلسہ میں مسلمان ہو گئی۔ مسلمان ہونے کے بعد شادی کا مسئلہ سامنے آیا۔ اس وقت وہ ۱۸۔۱۹ سال کی تھی۔ مولانا نے اعلان کیا کہ کون ان سے شادی کرتا ہے جب نام کافی آ گئے تو قرعہ اندازی کی گئی۔ جس میں

ایک شخص کریم الدین احمد لائن کانسٹیبل ہزاری باغ کا نام ان کے دوستوں نے مذاقاً دے دیا تھا۔ قدرتی بات اس کا نام قرعہ میں آگیا اور شادی ہو گئی۔ یہ تمام کارروائی دو دن اور دو راتوں میں مکمل ہوئی۔ آخر دوسری رات کو پادری نے ۳ بجے اپنی شکست تسلیم کر لی۔ ازاں بعد اس عقد کی تکمیل ہوئی۔

مولانا اشرف الحق صاحب کی زندگی کا بیشتر حصہ تبلیغ اسلام کے ساتھ اصلاحی کاموں میں گزرا۔ بُری رسموں کے خلاف آپ نے بے پناہ کوشش کی۔ سماجی حالات کو بہتر بنانے کی پوری جدوجہد کی۔ شراب نوشی کے خلاف ایک زبردست مہم چلائی جس میں آپ کو کامیابی حاصل ہوئی۔ بہت سے ضلعوں کو آپ نے اس تباہ کن لعنت سے پاک کیا۔ لوہردگہ۔ رانچی میں محمد علی صاحب عرف ممدو اور ان کے صاحب زادے منشی عبدالقادر صاحب ایک معزز و مقتدر حیثیت کے مالک تھے۔ یہ زمانہ ۱۹۰۰ء کا ہے مولانا نے لوہردگہ میں وعظ و نصیحت کا سلسلہ اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی تلقین شروع کی۔ آپ کی جادو بھری، مؤثر والہانہ۔ مدلل و مبسوط تقریروں کا پورے قصبہ میں چرچا تھا۔

محمد علی نے اپنے صاحبزادے کو ہدایت کی کہ وہ بھی مولانا اشرف الحق صاحب کا وعظ اپنے یہاں کرائیں چنانچہ آپ کو مدعو کیا گیا جب منظور فرمالیا تو واقف اور معتمد لوگوں نے آگاہ کیا کہ جس کے ہاں وعظ ہے وہ ضلع رانچی کی شراب کی بھٹیوں کا ٹھیکیدار ہے۔ مولانا دعوت میں پہنچ گئے اور وعظ شروع کیا جب منشی عبدالقادر صاحب عطر کی شیشی لے کر مولانا کو لگانے کے لئے آگے بڑھے اور چاہتے تھے کہ عطر لگائیں تو آپ نے ان سے پُرجلال اور رعب دار لہجہ میں کہا۔

"خبردار ہاتھ آگے مت بڑھاؤ۔ عطر کی صورت میں میرے لباس کو شراب کی غلاظت سے غلیظ کرنا چاہتے ہو۔"

ان فقروں سے جلسہ گاہ میں حیرت و تعجب کا عالم چھا گیا۔ منشی عبدالقادر صاحب اور ان کے والد خاموش تھے۔ محفل میں سکتہ کا عالم تھا۔ دو منٹ کے بعد ان لوگوں نے توبہ کی۔ مولانا اور دیگر حاضرین محفل نے مسرت اور شادمانی کے ساتھ عطر لگایا۔ اسی وقت محمد علی صاحب نے پورے ضلع کی شراب کی بھٹیوں کو توڑ دینے کا حکم دے دیا۔ تین ماہ ٹھیکے کی مدت باقی تھی جس میں نفع ہی نفع تھا۔ اس کو ٹھوکر ماردی اور اس کے بعد آج تک اس خاندان نے اس فعل شنیعہ اور قبیحہ کی طرف رخ نہیں کیا۔

قصبہ الکی کی پوری آبادی بھی کلال پورہ بنی ہوئی تھی۔ تقریباً ہر مسلمان شراب فروخت کرتا تھا اور اپنے خاندان کا پیٹ پالتا تھا۔ مولانا اشرف الحق صاحب وہاں بھی پہنچے۔ آپ نے لوگوں کو تلقین کی جس کا خاطر خواہ اثر ہوا۔ اور تمام قصبے کے مسلمانوں نے توبہ کی اور ہر ایک آدمی نے بھٹیوں کو توڑا۔ اور حلال کے کاروبار کی طرف توجہ دینی شروع کی۔ چنانچہ اس وقت مسلمانوں کے وہاں گھر ہیں وہ تقریباً سب کے سب مولانا کے مرید ہیں اور شریعت کے پابند ہیں۔

سلطان عبدالحمید خان نے ایک ملاقات میں حضرت مولانا رحمت اللہ کیرانوی سے کہا تھا کہ انگریزوں نے ہندوستان

پر کس طرح قبضہ کیا تھا۔ اس کے حالات مجھے چاہییں۔ چنانچہ جب مولانا شرف الحق صاحب نے ۱۳۰۵ھ کو پہلے حج میں حضرت مولانا رحمت اللہ صاحب سے ملاقات کی اور ان کے پاس مقیم ہوئے تو اس وقت انہوں نے اس کام کے لئے ڈیوٹی لگائی کہ تم ہندوستان جاکر یہ حالات لکھ کر بھجوادینا۔ چنانچہ یہ کام انہوں نے انجام دیا۔

اس بات کا علم حکومتِ برطانیہ کے حکمرانوں کو ہوگیا۔ پوری معلومات حاصل ہوگئی تھیں مگر شبہ کی وجہ سے آپ کے خلاف ڈیرہ دون میں تقریر کرنے کے سلسلے میں مقدمہ چلانے کی تجویز ہوئی تھی۔ تفتیش دہلی کی پولیس نے کی۔ یہاں کے معززین نے داخل دفتر کرادیا۔

مولانا شرف الحق صاحب نے مصر میں ایک نیم سیاسی اور نیم مذہبی تقریر کی تھی۔ مصر سے تفتیش کے کاغذات دہلی آئے تو دہلی پولیس نے تفتیش شروع کی تو دہلی کے معزز حضرات نے اپنے یہاں مولانا شرف الحق صاحب کے حق میں بیانات قلم بند کرائے جس میں حکیم عبدالمجید خاں بھی شامل تھے یہ مقدمہ سنگین تھا لیکن دہلی پولیس نے اپنی رپورٹ مصری حکومت کو آپ کے حق میں بھیجی تھی جس کی بنا پر یہ مقدمہ بھی داخل دفتر کردیا گیا۔ تیسرا مقدمہ سودیشی تحریک کے سلسلہ میں چلا۔ جسے استغاثہ کے گواہ عدالت میں پیش نہ ہونے کی وجہ سے عدالت نے خارج کردیا تھا۔

حضرت مولانا رحمت اللہ صاحب نے دہلی اور کیرانہ میں جنگِ آزادی ۱۸۵۷ء میں شرکت کی اور شیخ المشائخ حضرت حاجی امداداللہ صاحبؒ۔ مولانا رشید احمد صاحب گنگوہیؒ اور مولانا محمد قاسم صاحب نانوتویؒ جنگِ آزادی ۱۸۵۷ء میں شامل ہوئے تھے۔ ان حضرات نے جنگِ آزادی میں انگریزوں کا بھرپور مقابلہ کیا تھا۔

جنگ کی ناکامی کے بعد حضرت حاجی امداداللہ صاحب اور مولانا رحمت اللہ صاحب ہجرت کرکے مکہ معظمہ تشریف لے گئے۔ اور وہیں مقیم ہوگئے۔

حضرت مولانا شرف الحق ان انقلابی رہنماؤں سے قریبی تعلق اور مقدمات کی وجہ سے حکومت کی نظروں میں کیونکہ آ گئے تھے سرکار نے آپ کی سخت نگرانی شروع کردی تھی۔ سی آئی ڈی سائے کی طرح پیچھے لگی رہتی تھی۔ کبھی مرید کی شکل میں اور کبھی مہمان بن کر رہتی تھی۔

۱۹۴۰ء میں بہار کے ایک صاحب مرید ہونے کے لئے ٹاٹ کے کپڑے پہنے ہوئے گھر پر آئے ذکر و اذکار میں ہمہ تن مصروف رہتے تھے۔ مکان کے چھوٹے کمرے پر ٹھہرے آخری دنوں میں اتفاقیہ طور پر ان کی عدم موجودگی میں راقم الحروف چھوٹے کمرے میں پہنچا۔ ان کے بستر کے نیچے ایک ڈائری کا کونہ مجھ کو نظر آیا۔ اس کو اٹھایا۔ کھولا تو دیکھا کہ روزانہ کے والد صاحب کے قول و افعال قلم بند کئے ہوئے تھے اور جو لوگ والد صاحب سے ملنے آتے تھے ان کے نام درج تھے اور ایک صفحہ پر

خاص ریمارک لکھا ہوا تھا۔

"مولانا بہت گہرے اور سازشی ہیں"

یہ ڈائری میں نے اپنے قبضہ میں کی۔ والد صاحب کو دکھائی تو ہنس دیئے اور کہا کہ رکھ آؤ۔ جو کام اس کے کرنے کا ہے اُسے کرنے دو۔ میں نے ان کے ارشاد و حکم کے مطابق وہ ڈائری اس کے بستر کے نیچے رکھ دی۔ وہ حضرت کچھ دن اور رہے اور پھر چل دیئے اس کے بعد ان کا کوئی پتہ نہیں لگا۔

حضرت مولانا شرف الحق صاحب کا وصال ۲۸ جنوری ۱۹۳۶ء کو ہوا۔ اور حضرت خواجہ باقی باللہ کے قبرستان میں مدفون ہوئے۔ آپ کی لائبریری میں کافی علمی ذخیرہ ہے جس میں عبرانی۔ پشتو۔ ترکی۔ سنسکرت۔ ہندی۔ عربی۔ انگریزی اور اردو کی کتابیں۔ ڈھائی تین ہزار قلمی کتابیں اور ۱۹۲۳ء سے لے کر ۱۹۳۰ء تک کے تین سو اخبارات اور رسائل موجود ہیں اور تذکروں کی ایک بہت بڑی تعداد موجود ہے۔

مولانا شرف الحق صاحب حکیم الامت مولانا اشرف علی صاحب۔ مولانا محمد حسین الہ آبادی۔ مولانا انوار اللہ شاہ صاحب حیدر آبادی۔ مولانا حسرت موہانی۔ مولانا محمد علی۔ مولانا شوکت علی۔ حکیم اجمل خان۔ ڈاکٹر مختار احمد انصاری اور بال گنگا دھر تلک۔ مفتی اعظم مفتی کفایت اللہ صاحب سے قریبی تعلقات تھے۔ ان حضرات کے ساتھ آپ مختلف شہروں میں گئے وہاں تقریریں کیں اور سیاسی تحریکوں میں بھی حصہ لیا۔

ایسی اولو العزم ہستی جس کی وجہ سے عیسائی مشنریوں کی شرارتوں کا ملک میں خاتمہ ہو گیا اور ہندوستانیوں کے مذہب اور دھرم قائم رہ گئے ہوں ان کی سوانح عمری نہ لکھی جائے تو اچھی بات نہیں تھی۔

اس کمی کو پورا کرنے کے لئے میں نے اپنے والد محترم حضرت العلامہ مولانا شرف الحق صاحب قادری صابری کے حالات زندگی پر "داستانِ شرف" کے نام سے ایک مبسوط و جامع کتاب تالیف کی ہے۔

حضرت والد ماجد قبلہ کی پیدائش ۱۸۶۳ء کی ہے۔ پوری صدی گزر چکی ہے۔ اس لئے ان کی ایک صدی کی تقریبات منانے کے لئے ہندو پاکستان میں علمی۔ ادبی۔ صحافی حضرات کا بہت عرصہ سے تقاضا تھا۔ "داستانِ شرف" بھی مکمل نہیں ہوئی تھی اس کی تکمیل کے بعد احباب کی محفل میں طے ہوا کہ ۹ ستمبر ۱۹۶۹ء کو دہلی میں یہ تقریبات منائی جائیں جس میں ہند و پاک کے علمی، ادبی و صحافی حضرات کو مدعو کیا جائے۔ چنانچہ اس سلسلہ میں عملی قدم اٹھ چکے ہیں۔ انشاء اللہ یہ تقریبات شاندار طور پر منائی جائیں گی ۔

پاکستان کی اقتصادی ترقی میں
قدم بہ قدم شریک

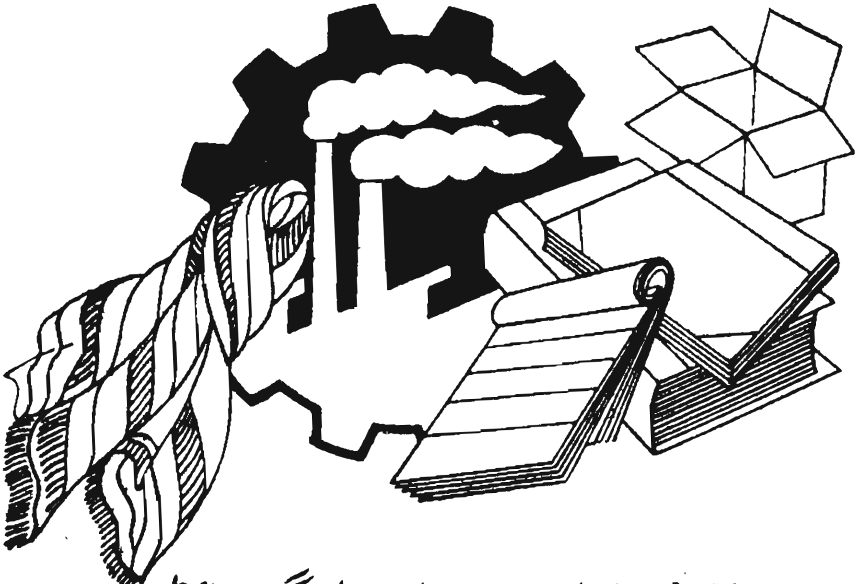

آدمجی کے کاغذ۔ بورڈ اور بلیچنگ پاؤڈر

adamjee

آدمجی پیپر اینڈ بورڈ ملز لمیٹڈ

آدمجی ہاؤس۔ پی۔ او بکس ۴۳۳۲۔ آئی۔ آئی چندریگر روڈ۔ کراچی ۲

NATIONAL 45 H

تعارف و تبصرہ کتب

اسلامی دستور کے بنیادی اور رہنما اصول

تالیف: مفتی عزیز الرحمٰن

ناشر: مکتبہ رحمانیہ - ۱۸- اردو بازار- لاہور

صفحات ۳۸۰ قیمت ۲۷ روپے

حضرت شاہ ولی اللہؒ نے اپنی بے نظیر تالیف "حجۃ اللہ البالغۃ" میں لکھا ہے کہ تمام شریعتوں کی بنیاد شعائر الٰہی کی تنظیم پر ہے اور اسلام کے چار بڑے شعار قرآن مجید- کعبۃ اللہ، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اور نماز ہیں۔

جناب مفتی عزیز الرحمٰن صاحب نے ان چار شعائر کی تفصیل و تشریح زیر نظر کتاب میں کی ہے۔ انہوں نے علیحدہ علیحدہ ان چار چیزوں کی عظمت دکھائی ہے اور اس کے بعد بتایا ہے کہ ان چار چیزوں پر اسلامی شریعت کس طرح ہے اور شریعت کے ہر حکم سے ان کا کیا ربط و تعلق ہے۔

قرآن مجید پر لکھتے ہوئے جہاں انہوں نے اس کی تدوین و ترتیب پر روشنی ڈالی ہے اور جدید مغرب زدہ اہل قلم کی غلط فہمیاں دور کی ہیں وہیں اسلام کے نظام حکومت اور حرمت سود پر بحث کی ہے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس کے سلسلے میں "سنت" پر تفصیلی گفتگو کی ہے اور اسلام کے قانون جرم و سزا پر مختصراً روشنی ڈالی ہے۔ خانہ کعبہ اور نماز پر لکھتے ہوئے نماز کی اجتماعیت سے مؤلف کا ذہن "اجماع" کی طرف منتقل ہوا۔ اور بات بڑھتے بڑھتے قیاس پر پہنچی۔ اس ضمن میں بہت سے اہم فقہی معاملات زیر بحث آئے ہیں۔

جناب مؤلف نے اس تالیف میں احکام و فرائض سے متعلق اپنے فتاویٰ کا خاصا حصہ یکجا کر دیا ہے۔ اگرچہ براہ راست ان کا موضوع سے تعلق نہیں بنتا۔ بات سے بات نکلتی گئی اور قیمتی معلومات بکھرتی چلی گئی ہیں۔

پہلی نظر میں کتاب کے عنوان سے غلط فہمی پیدا ہوتی ہے کہ اس میں اسلام کے نظام مملکت (دستور) کے بارے میں بنیادی اور رہنما اصول بیان کئے گئے ہوں گے۔ مگر کتاب کا موضوع اسلام کے دستور زندگی کو محیط ہے۔

مکتبہ رحمانیہ نے اس کتاب کے اولین مطبوعہ ایڈیشن کا عکس لیا ہے اور خوبصورت نیز مضبوط جلد کے ساتھ اہل نظر کے سامنے پیش کیا ہے۔

(اختر راہی)